مذہب یا ضمیر

آیۃ اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ

اہل مذہب کی طرف سے مذہب کی ضرورت پر بڑا زور دیا جاتا ہے لیکن روشن خیال طبقہ میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ انسانی فطرت میں ایک پوشیدہ قوت موجود ہے جس کا نام ضمیر ہے۔ اُس میں مذہب کے قائم مقام بننے کی صلاحیت ہے۔ یہ طاقت تمام حالات میں ہمارے حرکات وسکنات کی کڑی نگرانی کرتی، ہمیں ہمارے فرائض کی طرف توجہ دلاتی، ظلم وجور اور ہر قسم کے خلاف اخلاق کاموں سے باز رکھتی، اچھائیوں کی طرف دعوت دیتی اور برائیوں سے روکتی، ہمارے پست اور رکیک کاموں سے اُسے سخت دُکھ پہنچتا ہے۔ جب آدمی کوئی منافیٔ انسانیت کام کرتا، کسی کمزور اور بے بس کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتا ہے تو ضمیر اپنی عدالت میں اُسے طلب کر کے فیصلہ کرتا اور اس کو مستوجب سزا قرار دیتا ہے۔ بے شک ضمیر کی طرف سے کوئی ظاہری اور جسمانی سزا نہیں دی جاتی، وہ باطنی اور روحانی سزا دیتا، مجرم کے دل ودماغ کو بے چین کرتا، اس کو پیہم ملامت اور سرزنش کے چرکے لگاتا، اس کی خوشگوار اور شیرین زندگی میں تلخی پیدا کر دیتا ہے۔ اگر ضمیر بہت جاندار یا جرم بہت زیادہ سنگین ہے تو کبھی یہ سزا مجرم کی زندگی کو تہہ وبال کر دیتی، وہ بیمار پڑ جاتا، پاگل ہو جاتا، خودکشی کر ڈالتا ہے۔

تمام لوگوں کے ضمیروں کو علم نفس کے اصول کے مطابق زندہ اور طاقتور بنایا جا سکتا ہے۔ تربیت ضمیر کے بعد مذہبی اصول اور تعلیمات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جو کام انبیاء مرسلینؑ کے ہاتھوں انجام پاتا ہے اُسی کی تکمیل اکیلا ہمارا ضمیر کر دے گا۔

اس اعتراض کے تشفی بخش طور سے دور ہونے کے لئے مندرجہ ذیل امور کی توضیح ضروری ہے۔

۱۔ ضمیر یعنی چہ؟
۲۔ ضمیر کے مختلف درجے۔
۳۔ فیصلۂ عقل اور ضمیر
۴۔ عادات ورواسم کا ضمیر سے متعلق۔
۵۔ ضمیر کی آواز اور تکرار عمل۔
۶۔ کیا ضمیر کو دھوکا دیا جا سکتا ہے؟
۷۔ دوسرے فطری جذبات اور ضمیر کے درمیان تصادم۔

۱۔ ضمیر کیا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اتنا ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ مجھ میں ایک پوشیدہ قوت موجود ہے جو میری رفتار وگفتار، یہاں تک کہ میرے نظریات وافکار کی نگراں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سب لوگ اس حقیقت کو یکساں طور پر نہیں محسوس کرتے ہیں لیکن ایسا کوئی صحیح الدماغ نہیں ملے گا جو اس قوت کے وجود کا انکار کرے۔

یہ پوشیدہ طاقت کبھی چین سے نہیں بیٹھتی، ہم سب محسوس کرتے ہیں کہ وہ برابر ہمیں اچھے کاموں کی طرف متوجہ کرتی اور برے کاموں سے باز رکھتی ہے۔ وہ پیہم بلند آواز سے ہم سے کہتی ہے:-

’عہد شکنی نہ کرو، ظلم وتعدی کے پاس نہ جاؤ۔ کمزوروں کی مدد کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، جن لوگوں کی گود میں تم نے پرورش پائی ہے، جنھوں نے تمہاری تعلیم وتربیت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اُٹھایا ہے اُن کی تعظیم کرنا تمہارا فریضہ ہے، تمہیں ہمیشہ حق شناس، پاکدامن اور راست گو

ہونا چاہئے۔"

اگر ضمیر کے تقاضے کے خلاف ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ ہم سے جنگ پر فوراً تیار ہوجاتا اور ہمارے دل و دماغ کی فضاؤں میں ایک طوفان، ایک انقلاب، ایک عظیم تہ و بالگی پیدا کردیتا ہے، وہ اندرونی طوفان آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے لیکن اُس کے اثرات نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں، اس انقلاب کی غمازی، چہرے کا اُڑا ہوا رنگ، مزاج میں چڑچڑاپن کرتا ہے۔ راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے، دل و دماغ صحیح طور پر کام نہیں کرتے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کام کے ارادے کے وقت ہمارے دل و دماغ میں کوئی طوفانی کیفیت نہ پیدا ہو، ہماری روح بالکل ساکن اور مطمئن ہو، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ضمیر ہمارے ارادے کا ہم آہنگ اور ہم قدم ہے۔

انسان کی سرکشی جب ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی اور انسان تقاضائے ضمیر کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتا ہے تو وہ پھر سرزنش پر آمادہ ہوتا ہے، انسان پر اعتراض کی بوچھار شروع کردیتا، اپنے اس اقدام سے وہ انسان کے دل کو تکلیف پہنچاتا، اپنی عدالت سے اُس کے خلاف فیصلہ صادر کرتا، اُسے روحانی سزا دیتا، اُس کی روح کو کوڑے لگاتا اور اُسے توبہ پر تیار کرتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد بہت زیادہ پشیمان ہوتے ہیں۔ اُنھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اُن کے دل و دماغ میں آگ لگی ہے، اُن کی روح جھلسی جارہی ہے، جیسے کسی نے ان کے جرم کی ہولناک فلم بنالی ہے، جسے وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مجرم کی آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے، جیسے اُس مظلوم اور بے گناہ کے وہ آخری دلخراش فقرے جن سے اُس نے رحم کی التجاء کی تھی کسی نے ریکارڈ کر لئے ہیں جنہیں وہ کبھی کبھی مجرم کو دکھادیتا ہے۔

ضمیر کی تکلیف دہ حرکتوں سے چھٹکارے کی خاطر کبھی مجرم اپنے کو خود عدالتوں میں پیش کرکے اقرار جرم کرلیتے ہیں، قانون کی تلوار کے نیچے اپنے ہاتھ سے اپنا گلا رکھ دیتے، جس خنجر سے کسی مظلوم کی زندگی کو ختم کیا تھا اُسی سے اپنا سینہ چاک کرڈالتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں جس فوجی افسر نے ایٹم بم سے جاپان کے دو شہروں کو چند لمحوں میں تباہ و برباد کرڈالا تھا، اُس کا قصہ سب کے پیش نظر ہے۔ یہی ہوا کہ اس نے بم پھینک کر آباد شہر کو منٹوں میں کھنڈر بنادیا، ہزاروں بے گناہ اشخاص، شیر خوار بچوں، اسپتالوں کے بے بس مریضوں اور بے زبان جانوروں کو نیست و نابود کردیا، لیکن اب ضمیر کے دباؤ نے اُسے پاگل بنادیا ہے۔ احساس جرم نے مجرم کے دل و دماغ میں انقلاب پیدا کردیا۔

اس کے برخلاف انسان جب کسی اچھے کام کا عزم کرتا ہے تو ضمیر اُسے مزید رغبت دلاتا، ایسے کام کے انجام پاجانے کے بعد ضمیر شاباش کہتا اور تعریف کرتا، ایک مرتبہ نہیں، جب کبھی انسان کو اپنا وہ کام یاد آتا تو ضمیر آگے بڑھ کر اس کی مدح کرتا ہے۔ اسی لئے ایسے موقع پر انسان کے دل میں مسرت و انبساط، غرور و سربلندی کے احساس سے ایک تموج پیدا ہوجاتا ہے۔

آدمی جب کسی اچھے یا برے کام کے انجام دینے میں مصروف ہوتا تو ضمیر اُس موقع پر اطمینان سے نہیں بیٹھتا بلکہ پوری طاقت سے اپنا فریضہ پورا کرتا ہے۔ پہلی صورت میں انسان کو سہارا دے کر اُس نیک کام کی تکمیل کرتا اور دوسری صورت میں اُسے باز رکھنے کے لئے اپنی ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیتا ہے۔ اچھے کاموں کے انجام دینے کے بعد انسان میں جو روحانی بالیدگی پیدا ہوتی وہ اسی ضمیر کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔ یونہی پست اور رکیک کاموں کی انجام دہی کے موقع پر انسان کا تذبذب، اُس کے چہرے کا اُڑا ہوا رنگ، اس کے ہاتھوں کی تھرتھراہٹ، اُس کی زبان کی لکنت، اُس کے پیروں کی کپکپاہٹ، اس کے دل کی دھڑکن، اسی ضمیر کی موثر کارگزاری کے اثرات ہیں۔

شاید سوائے ان آثار کے ضمیر کی کوئی ہمہ گیر تعریف ممکن نہیں ہے جامع تعریف کی کوشش بھی ضروری نہیں ہے، کیونکہ

روح اور دوسری باطنی قوتوں کی طرح ضمیر بھی ایک پوشیدہ حقیقت ہے جس کے پہچنوانے کے لئے اُس کے آثار کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔
کمال سے عشق و محبت، نقص و عیب سے نفرت انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ممکن ہے کہ حقیت ضمیر اسی قدرتی تقاضے کی ایک جھلک ہو۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ فطرت بشری میں اس طرح کی قوت موجود ہے جس کے مخصوص اور نمایاں اثرات ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

۲۔ مراتب ضمیر کا اختلاف

تمام انسانوں کے ضمیر کی قوت یکساں نہیں ہے۔ ضمیر کی طاقت اور کمزوری کے لحاظ سے ایسے افراد تک کے درمیان تفاوت نظر آتا ہے جنہوں نے ایک طرح کے ماحول میں پرورش پائی اور زندگی بسر کی، جو اپنی عمر اور اپنے معلومات کی مقدار کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ضمیر کی حکومت ہماری عام حکومتوں سے شباہت رکھتی ہے۔ بعض لائق اور بعض نالائق ہیں۔ کچھ طاقتور اور کچھ کمزور ہیں۔ بعض لوگ کسی یتیم بچہ کی آنکھوں کو اشکبار دیکھ کر بے چین ہوجاتے ہیں۔ کسی مظلوم، بے خطا کے رخسار پر طمانچہ پڑنا اُن کے دل کو تہہ و بالا کر دیتا ہے اگر خود ان کے ہاتھ سے کسی پر معمولی سی زیادتی ہوجائے تو مدتوں اسی کی فکر میں رہتے اور کسی طرح اسے بھولتے نہیں ہیں۔ ان کے مقابل ایسے افراد بھی نظر آتے ہیں جن کی آنکھوں نے خاک وخون میں لوٹتے ہوئے بے گناہ انسانوں کے لاشے دیکھے ہیں، کچھ دیر اُن کا دل بے چین رہا۔ وہ اظہار افسوس کرتے رہے اور اس کے بعد اس طرح انجان ہو گئے جیسے اُن کے سامنے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اسی دنیا میں ایسے سخت دل افراد بھی ہیں جن کے ضمیر بالکل مردہ ہو چکے ہیں، وہ بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں ہلکی سی لرزش بھی پیدا نہیں ہوتی، وہ کوئی بے چینی محسوس نہیں کرتے۔
یہ صحیح ہے کہ ضمیر ایک فطری قوت ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ تغیر و تبدل کے قابل نہ ہو۔ علمی اور عملی تربیت سے مؤثر تلقین اور تعلیم سے مردہ ضمیر کو زندہ کیا جاسکتا، اُس کی کمزوریوں کو دور کر کے اسے طاقتور بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ اگر برابر ضمیر کے تقاضوں کے خلاف عملدرآمد ہوتا رہے، اس کے تقاضوں کو مسلسل مسترد کر دیا جاتا رہے تو رفتہ رفتہ اُس کی آواز دھیمی ہوجائے، اس کا زور گھٹ جائے۔

۳۔ ضمیر اور فیصلۂ عقل

بعض لوگوں نے انسانی ضمیر کو ایک منصف جج سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ بعض حیثیتوں سے درست ہے۔ لیکن اُس میں ایک بڑا عجیب بھی ہے، وہ یہ کہ دوسرے ججوں کے پاس سوچنے اور سمجھنے کی قوت ہے مگر ضمیر نیکی اور بدی کی تشخیص میں عقل کا محتاج ہے، اچھائی اور برائی کا فیصلہ خود نہیں کرسکتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ضمیر کسی قوت ادرا کی کا نام نہیں ہے۔ ادراکات صرف عقل کے وسیلہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ انسان عقل وفکر سے سہارا لے کر اچھائی اور برائی کا فیصلہ کرتا، اس کے بعد ضمیر اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان اچھائیوں کے بجالانے کی دعوت دیتا اور ان برائیوں کے ارتکاب سے روکتا ہے جن کے متعلق عقل پہلے فیصلہ کر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ واضح ہے کہ اگر نیک و بد کے درمیان امتیاز میں عقل سے چوک ہوگئی تو اُس کی پیروی کی وجہ سے یقیناً ضمیر بھی گمراہ ہوجائے گا۔ اس مطلب کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل مثال کی طرف توجہ فرمائیے۔
آپ اس زمانے میں دیکھ رہے ہیں کہ دو بڑے سیاسی ملکوں کے طرفدار، سرمایہ داری اور کمیونزم کے حامی ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہیں۔ ایک طرف کے فلسفی دوسری طرف کے فلاسفہ کے مقابل۔ ایک گروہ کے سائنس داں دوسرے گروہ کے سائنس دانوں کے مقابل، ایک مسلک کے سیاسی لیڈر دوسرے مسلک کے سیاسی لیڈروں کے مقابل، ایک جماعت کے انشاء پرداز دوسری جماعت کے صاحبان قلم کے مقابل، ایک طرف کی فوجیں دوسری طرف کی فوجوں کے سامنے ایستادہ ہیں۔ دونوں گروہوں کے درمیان سرد و گرم جنگ چھڑی

ہوئی ہے۔ ہر ایک علمی اور جنگی ہتھیاروں سے دوسرے کو شکست دینے کے لئے کوشاں ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان بکثرت ایسے اشخاص موجود ہوں جو ان دونوں سیاسی ملکوں میں سے کسی کو صحیح نہ سمجھتے ہوں۔ انہیں کسی ایک کی طرفداری پر اُن کے شخصی منافع نے آمادہ کیا ہو۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں طرف کی صفوں میں ایسے افراد ضرور موجود ہیں جو اپنے مسلک کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کی حمایت کررہے ہیں، مشرق و مغرب کے انشا پردازوں کے نتائج قلمی کے سرسری مطالعہ سے اس بات کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے میں فخر محسوس کررہا ہے، ہر ایک دوسرے کے تہس نہس کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو انسانیت کی بہت بڑی خدمت سمجھ رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک کا ضمیر اس کے اقدامات کو پسند کررہا، ہر ایک کا ضمیر دو مختلف راستوں کو طے کررہا ہے۔ اسی بنا پر دونوں گروہ خوش اور مطمئن ہیں، کوئی بھی اپنے مجرم کو نہیں سمجھ رہا ہے۔

یہ منظر اس وقت ہمیں کیوں نظر آرہا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کا ضمیر اس کی عقل و فکر کے فیصلے کی پیروی کررہا ہے۔ ظاہر ہے کہ حقیقت دو مختلف سمتوں میں نہیں ہوسکتی۔ یقینا ان دونوں مسلکوں میں سے کوئی ایک یا دونوں نقطۂ صحت سے ہٹے ہوئے ہیں، کسی گروہ کی قوت فیصلہ سے چوک ہوگئی ہے۔ اسی چوک نے ضمیر کو بھی غلط راستہ پر گامزن بنادیا ہے۔

۴۔ رواسم وعادات سے ضمیر کا تعلق

ماحول اور عام رواسم وعادات بھی ضمیر کے رجحانات پر اثر انداز ہوتے ہیں اکثر اوقات بہت سی غلط باتیں سماج کا جز بن جاتی ہیں۔ اُن کے عمومی رواج کی وجہ سے اُن کا واقعی اور حقیقی نقص آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے کاموں کے انجام دینے کے بعد بہت کم لوگ ملیں گے جن کا ضمیر بے چینی محسوس کرے۔ اکّا دکّا آدمی دستیاب ہوسکتے ہیں جن کی عقلِ فطری کے ہاتھ پاؤں نے رواسم وعادات کی زنجیروں کو توڑ ڈالا اور اُنھیں سو فیصدی صحیح اور آزاد فیصلہ کرنے پر قادر بنادیا ہے۔ مثلاً جو لوگ جانوروں کو ذبح کرنا، اُن کا گوشت کھانا مذہبی طور پر ممنوع سمجھتے ہیں کسی جانور کے گلے پر چھری چلانا یا اُس کا گوشت کھانا اُن کے ضمیر کو بے چین کردیتا ہے، اس کے برخلاف مسلمانوں کے ماحول میں یہ باتیں عموماً رائج ہیں اور اُنہیں ان سے کوئی ناگواری محسوس نہیں ہوتی۔

یہ درست ہے کہ ہمارے بعض برادران وطن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کسی حیوان کے لئے اس سے بڑھ کر کیا کمال ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے سے بلند تر مخلوق کے جسم کا جز بن جائے، جس طرح خاک کے ذرّے نباتات کا جز بنتے، جس طرح نباتات حیوانات کا جز و جسم قرار پاتے ہیں، اُسی طرح جانور اگر اپنی موجودہ سطح وجود سے منتقل ہوکر کسی بالاتر سطح وجود تک پہنچے تو کیا قابل اعتراض بات ہے۔ یہ وہی قانون تکامل ہے جو سارے جہان آفرینش میں نافذ اور رائج ہے۔ لیکن اگر بالفرض برادران وطن کے اس طرز فکر کو صحیح مان لیا جائے تو جانوروں کے ساتھ ہمارے برتاؤ سے ہمارے ضمیروں کے بے چین نہ ہونے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کے سماج میں یہ برتاؤ رائج ہوگیا ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی بری بات سماج میں داخل ہوجائے تو اس کی برائی کم ہوجاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے پست سماج میں رہنے کی وجہ سے ہمارا ضمیر اس پستی کا عادی بن گیا۔ اس کی قوت فیصلہ زنگ آلود، اس کی چشم بصیرت کمزور ہوگئی۔

۵۔ ضمیر کی آواز اور تکرار عمل

کسی کام کا برابر دہراتے رہنا جس سے عادت کی تشکیل ہوتی اس سے بھی ضمیر کی فعّالیت اور قوتِ کارکردگی پر اثر پڑتا ہے، جو لوگ پے در پے اپنے ضمیر کے تقاضوں کے خلاف کام انجام دیتے رہتے ہیں، آخر میں اُن کا ضمیر اُنہیں نہ کوئی ملامت کرتا اور نہ اس غلط فعل کی انجام دہی سے بے چین ہوتا

ہے۔ جرائم پیشہ اشخاص برابر جرائم کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے ضمیر اُن سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کرتے، ایسے کہنہ کار سیاست دانوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر ایسے ایسے ہولناک اقدامات کرتے جنہیں سن کر ہمارے جسم پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دل ہلا دینے والے خونین مناظر اُن کی آنکھوں کے سامنے آتے، لیکن اُن کا اطمینان وسکون بتاتا ہے کہ ضمیر کے دباؤ کی وجہ سے کسی باطنی بے چینی کو وہ محسوس نہیں کررہے ہیں۔ اس بے حسی کا سبب یہی ہے کہ تکرار جرم اور فیصلۂ ضمیر کی طرف سے بے اعتنائی نے اس مفادی حق کو خاموش کردیا۔

ضمیر بھی دوسری روحانی اور جسمانی قوتوں کی طرح بیکار رہنے سے رفتہ رفتہ فنا ہوجاتا ہے۔ گہرے تاریک غاروں میں ایسے جانور ملتے ہیں جن کی آنکھیں کام نہیں کرتیں۔ نیچرل سائنس کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ جانور اپنے اول روز خلقت سے ایسے نہیں ہیں، اُن کی آنکھوں میں بینائی موجود تھی، وہ پہلے ان غاروں سے باہر رہتے تھے، ضروریات زندگی کی تلاش نے جب انھیں اندھیرے غاروں میں ڈھکیل دیا تو بیکار رہنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی آنکھوں کی روشنی رخصت ہوگئی اور وہ اندھے ہوگئے۔ اسی طرح وہ مجرم جنہیں قید تنہائی کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ چونکہ انہیں چلنے پھرنے کا موقع نہیں ملتا۔ لہٰذا آزاد ہونے کے بعد ایک مدت تک وہ چلنے پھرنے سے عاجز رہتے ہیں۔

انسانی ضمیر کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جب اُس کی آواز پر لبیک نہیں کہی جاتی تو تدریجاً اس کی صدا میں ضعف واضمحلال پیدا ہوتا رہتا یہاں تک کہ وہ ایک وقت میں بالکل ساکت ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس جب انسانوں کو اچھے کاموں کے انجام دینے کی عادت پڑ جائے تو اُن کے ترک کرنے سے ان کا ضمیر انتہائی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ جنہیں بجماعت اول وقت نماز پڑھنے کی عادت ہے، اگر وہ کسی وجہ سے اپنے وقت پر نماز نہ پڑھیں تو اُنہیں قلبی اذیت ہوتی ہے۔ غلط کاموں کا ارتکاب کرتے کرتے جن افراد کو جرائم کی عادت پڑ گئی ہے اُن کے ضمیر مردہ ہوچکے۔ اب راہ راست کی طرف انہیں کون متوجہ کرے گا؟

۶۔ ضمیر بھی دھوکا کھاتا ہے

اکثر انسان اپنے ضمیر کو خود دھوکا دیتا ہے۔ اپنی عقل وفکر کی گہرائیوں میں کسی کام کی برائی کا یقین رکھتے ہوئے محض اپنے ضمیر کی سرزنش سے بچنے کے لئے اُس فعل کی دور از کار تاویلیں تراشتا ہے۔ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ میری نظر میں یہ فعل بالکل صحیح اور پسندیدہ ہے۔

ہمارے اردگرد سیکڑوں غلط، نامعقول افعال انجام دیئے جاتے رہتے جن کے مرتکبین اپنے ضمیر کی سرزنش سے بچنے کی خاطر مختلف مضحکہ خیز عذر کیا کرتے ہیں۔ بہت افراد ایسے موجود ہیں کہ اگر ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تم چوری کیوں کرتے ہو تو جواب میں کہیں گے کہ اس ملک میں کون ہے جو کسی نہ کسی طرح چوری نہیں کرتا ہے؟

فرمایئے، اس قسم کے افراد کا ضمیر اُنہیں راہ راست کا پابند بنا سکتا ہے؟ یقینا ان کا ضمیر خواب غفلت میں ہے، اُسے تھپکیاں دے دے کر سلا دیا گیا ہے، ضمیر خفتہ کسی قسم کی ہدایت پر قادر نہیں ہے۔

۷۔دوسرے رجحانات اور ضمیر کے درمیان تصادم

ہوشیار اور بیدار ضمیر کی تاثیر کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا۔ یقینا ضمیر انسان کی آزادی اور مطلق العنانی پر پابندی عائد کرسکتا، اس کے کردار کی نگرانی پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اُسے انسان کے اعصاب پر اتنا قوی تسلط حاصل ہو کہ جدھر وہ چاہے انسان کے رُخ کو موڑ دے، جس راستہ پر چلانا مناسب سمجھے انسان کو ہاتھ پکڑ کے اُس راستہ پر گامزن کردے۔

ضمیر کی آواز سے متصادم دوسرے فطری رجحانات کی

مختلف آوازیں ہیں۔ ایک طرف ضمیر اپنے پسندیدہ راستہ پر انسان کو چلانا چاہتا، دوسری طرف خود پرستی، جاہ طلبی، جنسی خواہش، مال ودولت سے محبت اپنے تقاضوں کو انسان سے پورا کرانا چاہتی ہے۔ اس کشمکش میں ضروری نہیں ہے کہ فتح ہمیشہ ضمیر ہی کو حاصل ہو۔ اکثر انسانی ضمیر دوسرے فطری جذبات سے لڑ کر شکست کھاجاتا ہے۔

وہ جوان کہ جسے ہواؤ ہوس کی سرکشی نے عفت وشرافت کے راستوں سے منحرف بنادیا ہے، ایسانہیں ہے کہ اس کا ضمیر مردہ ہو چکا ہو، ضمیر زندہ اور بیدار ہے، اپنی راہنمائی کے فریضہ کو ہر ہر نقطہ پر پورا کر رہا ہے لیکن جنسی جذبات ضمیر سے زیادہ طاقتور ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ضمیر کی آواز کو بے اثر بنادیا ہے۔

جن لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت مہیا کرنے کی فکر ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کیسے کیسے پست اور رکیک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، فریب دہی، مکاری، دروغ گوئی، غلط بیانی کسی بات میں وہ بند نہیں ہیں۔ دوسرے کے فقر واحتیاج سے فائدہ اُٹھانا ان کا مستقل مشغلہ ہے۔ کیا اُن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں؟ ایسا نہیں ہے، ضمیر زندہ ہیں اور ان کے افعال پر اُنہیں ملامت بھی کرتے ہیں لیکن حبّ مال کا جذبہ ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

آج ہی نہیں ہر زمانہ میں صاحبان اقتدار نے اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی ہولناک حربے استعمال کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیشہ سے انسانی خون کی ندیاں بہتی رہی ہیں، مدمقابل کے خاک وخون میں تڑپتے ہوئے لاشوں نے اُن کی آنکھوں کو کبھی اشکبار نہیں بنایا بلکہ اس کے برعکس اُن کی آنکھوں میں مسرت وانبساط کی درخشندگی، اُن کے لبوں پر فتح وکامرانی کی مسکراہٹ دیکھی گئی ہے۔ وہ سیاسی لیڈر ہی کیا جو اپنے حریف کو اس کی زندگی ختم کر کے میدان مقابلہ سے نہ ہٹا سکے۔ سیاست کی دنیا میں کون سا مذہبی اور اخلاقی بڑے سے بڑا جرم ہے جس کا خفیہ یا علانیہ ارتکاب نہیں کیا جاتا۔ کیا واقعاً اِن سیاست دانوں کی دماغوں کی رو عام عقول وافکار کی رو سے مختلف ہے؟ کیا ان کے ضمیروں کے تقاضے دوسروں کے ضمیر کے مطالبوں سے جداگانہ ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ حقیقت میں اُن کے جذبۂ جاہ پرستی نے عقل وضمیر پر تسلط پالیا ہے۔ عقل وضمیر مغلوب، مفتوح ہو چکے ہیں، ان کی آوازوں کو دبادیا گیا ہے۔

ضمیر کی حقیقت اور اس کے تاثرات کے متعلق جو ہم نے طویل بحث کی اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ اس کے مدعی ہیں کہ ضمیر مذہب کی جگہ کو پُر کر سکتا ہے وہ نہ پورے طور سے مذہب کو پہچانتے ہیں اور نہ ضمیر انسانی کو انہوں نے انسانی کی انفرادی اور زندگی میں نہ مذہب کی افادیت کو سمجھتا ہے اور نہ ضمیر کے دائرہ اثر کو۔

مذہب انسانی زندگی کے جن گوشوں اور پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری ہے ضمیر اُن میں سے کسی گوشہ کو پُر نہیں کر سکتا۔

خلقت انسانی کا مقصد یہ ہے کہ وہ علمی اور عملی حیثیت سے تمام ممکن درجات کمال تک پہنچ جائے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے صحیح ترین اور انتہائی جامع تعلیمات کی ضرورت ہے۔ انسانی علوم ناقص اور آماجگاہ خطا ہونے کی وجہ سے انسان کو اُس کی منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ صرف پیغمبروں کے تعلیمات کے سایہ میں ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ایک طرف اپنے معلومات کی کمی کو دور کریں اور دوسری طرف اپنے غلط اور خلاف واقع نظریات کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔

ضمیر کو مذہب کی جگہ بٹھانے والوں سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا ضمیر انسان کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لئے اپنے پاس صحیح اور جامع علوم کا کوئی ذخیرہ رکھتا ہے؟

یقیناً ہمارے سوال کا جواب نفی میں دیا جائے گا۔ قطعاً ضمیر کے پاس علم کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں عقل وفکر کا سہارا لیتا ہے۔ نیک وبد کی تعیین عقل کرتی ہے۔ ضمیر عقل کے پیدا کردہ امتیاز نیک وبد کے بعد اچھائیوں کے بجالانے کی دعوت اور برائیوں سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔

جب کہ ضمیر کے پاس علوم کا کوئی سرمایہ موجود ہی نہیں ہے تو اُس کے معلّم ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

سقراط اور ارسطو کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اخلاق کی پیدائش علم کے شکم سے ہوئی ہے۔ ان دونوں کا نظریہ تھا کہ حسن اخلاق خوبی اور بدی کے علم کا نتیجہ ہے لیکن ہمارے روزمرہ کے مشاہدات اس خیال کے بے بنیاد ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہمیں برابر یہ نظر آتا ہے کہ لوگ غلط عادتوں، سرکش جذبات سے مغلوب ہوکر بہت سے پست اور رکیک افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان افعال کی رکاکت اور ان کے منحوس نتائج کا اُنہیں یقین ہوتا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حسن اخلاق کی تخلیق دو چیزوں کے ذریعہ ہوتی ہے: علم اور فطری میلانات۔ عقل ایک قانون ساز کی حیثیت رکھتی ہے عقل کے بنائے ہوئے قوانین کا اجراء اور نفاذ طبعی میلانات کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ طبعی میلانات کبھی اپنے حدود واختیار سے باہر قدم رکھ دیتے ہیں۔ اُن کی سرکشی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ عقل کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر کبھی مملکت جسم پر خود حکومت کرنے لگتے ہیں۔ اسی مشکل کے حل کرنے کے لئے انسان کو تعلیم کے ساتھ تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ خوش قسمتی اور نیک بختی کے صحیح ترین وسائل واسباب کی راہنمائی کے علاوہ طبعی میلانات کی سرکشی اور سرتابی کو دور کرنے کے لئے کوئی انسان ہونا چاہئے۔ کوئی قوت ہو جو فطری میلانات کو عقل وضمیر کا ہم آواز بنا دے۔ چونکہ تربیت میں علمی جنبے سے سے زیادہ عملی جنبہ کو اہمیت ہے، مربی کامل کے لئے اچھے اور برے اوصاف سے پوری واقفیت، زیر تربیت اشخاص کے مزاجی اور طبعی اسرار ورموز پر اطلاع کے علاوہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ اخلاق اور کردار کے لحاظ سے ایک مکمل انسان ہو۔ غیر تربیت یافتہ ہرگز دوسروں کی تربیت نہیں کرسکتا۔ نہ صرف یہ کہ مربی کامل ہو بلکہ اُسے زیر تربیت افراد کا انتہائی مورد اطمینان بھی ہونا چاہئے۔ اسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ دوسرے اشخاص اس کا ہم رنگ بننے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے چُنے ہوئے افراد ہی ایسے ہوسکتے ہیں جو ہر لحاظ سے کامل ہوں، انسان ایسے کامل ترین افراد کے زیر تربیت مذہب کی وجہ سے آتا ہے۔ جو مذہب سے دور ہیں، وہ اپنا مربی انبیاء کو کب قرار دے سکتے ہیں؟

انصاف کیجئے کہ ضمیر بھلا کہاں انسان کے لئے ایک کامل مربی بن سکتا ہے! مربی کو ہمیشہ زیر تربیت اشخاص سے مکمل اور بلند ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے ممتاز اور نمایاں اخلاق کے ذریعہ اُن کی شخصیت پر اثر ڈالے۔ اس کے علاوہ عرض کیا گیا کہ ضمیر اچھے اور برے اخلاق کی تمیز میں عقل پر بھروسہ کرتا ہے، اس لئے اس کے بارے میں ہر قسم کی گمراہی کا امکان ہے، ایسی صورت میں ضمیر اخلاق کا راہنما کیسے بن سکتا ہے؟

مذہب کی پیروی سماج کے لئے اصول وقوانین فراہم کرتی رائج الوقت باتوں کی اصلاح کرتی ہے اور یہ مسلّم ہے کہ ضمیر قانون ساز نہیں ہوسکتا۔ وہ صرف عقل کے بتائے ہوئے اصول وقوانین کو نافذ کرسکتا ہے۔

ہاں ایک صفت ایسی ضرور ہے جس کے لحاظ سے ضمیر مذہب کا شریک ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح انسان کے افعال کا مذہب نگراں ہے اُسی طرح ان کا ضمیر بھی ناظر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے بھی ضمیر مذہب سے بہت پیچھے ہے۔

ایک سرسری موازنہ

ضمیر یقینا انسان کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ مذہبی تعلیمات نہ ہوں تو وہ اپنے کام کو نامکمل طور سے انجام دے گا۔ اس کے برخلاف دینی اعتقادات انسان کے افعال کی نہایت مکمل نگرانی کرتے ہیں۔ ہمیں اقرار ہے کہ ضمیر کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اعمال انسانی کی کڑی نگرانی کرکے بعض اوقات انسان کو دوسرے کے حقوق کی پائمالی اور اسی طرح کے دوسرے کاموں سے باز رکھے۔ لیکن جب ہم ضمیر کی نگرانی کو مذہبی اعتقادات اور تعلیمات کے سامنے رکھ کر دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تو ضمیر کا پلّہ ان کے بہ نسبت بہت ہلکا نظر آتا ہے۔

اس کی چند وجہیں ہیں:-

ا۔ ضمیر کے پاس اپنے منشاء کو نافذ کرنے کے لئے کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ جو لوگ اس کے احکام سے سرتابی کریں، اس کی آواز کی طرف متوجہ نہ ہوں، ضمیر سوائے اُنہیں سرزنش کرنے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ بے شک یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض لوگ اپنے ضمیر کے انتہائی طاقتور اور جاندار ہونے یا اُس جرم کی سنگینی کی وجہ سے جس کا ان سے ارتکاب ہوا ہے بیمار یا پاگل ہوگئے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ضمیر کی سخت اور پیہم ملامت سے چھٹکارے کے لئے مجرم نے خودکشی کرلی۔ یہ سب درست مگر ہر شخص کو یہ ماننا پڑے گا کہ ایسے واقعات بہت کم پیش آتے ہیں۔ شاید سیکڑوں مجرمین کے درمیان ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے جس کا ضمیر اس حد تک طاقتور ہو۔ پھر ایسے مظاہرے اُس وقت ہوا کرتے ہیں جب ضمیر کے قوی ہونے کے ساتھ جرم بھی سنگین ہو۔ اکثر وبیشتر انسان معمولی اور ہلکے جرائم کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ضمیر کا دباؤ ایسا شدید کہاں ہوتا ہے جو بیمار یا دیوانہ بنادے؟

مختصر یہ کہ ضمیر کی سرزنش اور اس کی جانب سے عائد کردہ روحانی سزا اتنی نرم ہے جسے اکثر اشخاص برداشت کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اچھے کاموں کی انجام دہی کے موقع پر ضمیر کی طرف سے انسان کو کوئی قابل لحاظ انعام نہیں ملتا ہے۔ آدمی پسندیدہ فرائض کو پورا کرنے کے بعد اپنے دل ودماغ میں صرف ایک روحانی سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ یہ احساس بھی عام طور سے لوگوں میں بہت تھوڑی دیر کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ضمیر کے خزانے میں کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے جسے وہ اپنی فرمانبرداری کے صلے میں دے۔

ہوسکتا ہے بعض اشخاص ایسے حسّاس ہوں کہ ان کے لئے روحانی راحت وآسودگی ہر مادّی صلے اور جزا سے زیادہ لذت بخش ہو، لیکن اُنہیں پیش نظر رکھ کر گفتگو نہ کرنا چاہئے۔ سماجی بحثوں میں فیصلے اکثریت کو سامنے رکھ کر کئے جاتے ہیں۔ اکّا دکا افراد کو اجتماعی مباحث کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔

انسانی ضمیر کے بالمقابل مذہب کے پاس اپنے نفاذ اور اجرا کے لئے بہت بڑی طاقت موجود ہے۔ دینی عقائد، خدا اور روز آخرت کا اعتقاد، ابدی اور دائمی نعمتوں، سخت اور انتہائی تکلیف دہ سزاؤں کا یقین انسان کو بڑی شدت سے مذہبی اصول وقوانین کی پابندی پر آمادہ کرتا ہے۔

مذہب سے وابستہ انسان اعتقاد رکھتا کہ خدا اُس کے دل کے تمام بھیدوں سے واقف ہے۔ ہر چیز اور ہر جگہ کی اُسے خبر ہے "**لا یغرب عنه مثقال ذرۃ فی السمٰوات والارض**" کرۂ زمین اور بے شمار دوسرے کروں کے ایک ایک ایٹم کا وزن اس کی نگاہ علم سے اوجھل نہیں ہے۔ مذہبی شخص یقین رکھتا کہ اس کا خدا ہر شئے پر قادر ہے، کوئی دشواری اس کے لئے دشواری نہیں ہے، "**ما کان اللہ لیعجزہ من شئی فی السمٰوات ولا فی الارض**" "زمین اور ان عظیم الشان آسمانی کرات میں بلا استثناء کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا کو بے بس بنادے۔" اس کا عقیدہ ہے کہ میرے نیک اعمال کے عوض میں بہشت بریں کی لازوال نعمتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر خدا کی رضامندی حاصل ہوگی جس سے بلند کسی معنوی اور روحانی لذت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح میرے اعمال بد کی سزا بھی انتہائی سخت ہے۔ جہنم کے بھڑکتے ہوئے سیاہ شعلوں، دردناک اور جاں فرسا شدید ترین عذابوں کا سامنا ہے۔ "**فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ**" جس نے ایک ننھے سے ایٹم کے وزن کے برابر نیکی کی وہ جس نے اسی طرح ایک حقیر ذرّے کے مساوی بدی کی وہ بھی اُس کے سامنے رہے گی۔"

بلاشبہ ایسے خدا اور ایسی جزا وسزا کا یقین ضمیر کی ملامت اور مدح کے بہ نسبت بدرجہا زیادہ انسان کے رفتار وکردار پر اثر انداز ہے۔ اسی لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسانی ضمیر دوسرے فطری جذبات اور محرکات سے شکست کھا کر خاموش ہوجاتا لیکن خدا اور روز آخرت پر ایمان برابر مقابلہ کرتا رہتا اور آخر میں جذبات کے طوفان کو ساکن کردیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مذہب کے پاس اپنے اصول و احکام کی پیروی کرانے کے لئے جو زبردست طاقت موجود ہے وہ انسانی ضمیر کے پاس اپنے اوامر ونواہی کی اطاعت کرانے کے واسطے نہیں ہے۔

۲۔ ضمیر غلط راستہ کی طرف بھی دعوت دے سکتا ہے کیونکہ اس کے فیصلے کا دارومدار ادراکات عقل کے اوپر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رواسم وعادات اور ماحول سے اُس کے فیصلوں میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ عرض کیا گیا کہ ضمیر کی گرفت سے نکل جانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ انسان اپنے ضمیر کو دھوکا دے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف مذہبی ہدایات اور احکام کی بازگشت چونکہ خدا کی ذات کی طرف ہے لہٰذا ان کی صحت اور درستی مورد اطمینان ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص خدا اور رسول کو فریب دینے کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ بے شک مذہب کے احکام کی غلط اور بیجا توجیہیں، تاویلیں ممکن ہیں لیکن وہ آخرت کی حتمی اور یقینی سخت ترین سزاؤں کی سپر نہیں بن سکتیں۔

۳۔ اشارہ کیا گیا کہ سماجی مسائل میں کم از کم انسانوں کی اکثریت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جو چیز محض چند آدمیوں کے دل ودماغ پر اثر انداز ہو اُسے معیار اور میزان نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ بات بہت نمایاں ہے کہ اکثر قوموں کے اکثر افراد ایسے طاقتور اور مؤثر ضمیر کے مالک نہیں ہیں جو ان کے افعال کے نگرانی مذہب کی طرح کرسکے۔ جن لوگوں کو مذہبی عقائد صحیح راستہ پر گامزن نہ کرسکیں اُنہیں بیچارہ ضمیر سیدھے راستہ پر کہاں چلا سکتا ہے؟ یہ محض خیالی بات ہے کہ نفسیاتی تربیت کے ذریعہ ایسے اشخاص کے ضمیر کو قوی اور مؤثر بنا دیا جائے گا۔ انتہائی متمدن ملکوں میں جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد ہمارے دعویٰ کا مضبوط شاہد ہے۔ ہاں مذہبی عقائد میں ضرور ایسی بے پناہ قوت ہے جو پوری نوع انسانی یا اس کی اکثریت کو صحیح راستہ پر چلنے کا پابند بنادے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مذہبی عقائد کو اپنے تاثرات کے لئے کبھی آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ ہر زمانے میں صحیح عقائد دینی کی ترویج واشاعت کے لئے موانع رہے۔

اس دعوے کے پایۂ ثبوت تک پہنچنے کے لئے زمانۂ جاہلیت کے عربوں پر نظر کیجئے۔ اگر پیغمبر اسلامؐ عربوں کے ضمیر کی تربیت کرکے اُنہیں اخلاقی پستیوں سے نجات دلانے کی کوشش کرتے تو ہرگز آپ کو وہ کامیابی حاصل نہ ہوتی جس کے آپ خواہاں تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن کی اصلاح اخلاقی خدا اور آسمانی تعلیمات کی طرف انہیں متوجہ کرکے فرمائی۔ اس کے نتیجہ میں رسولؐ نے پوری قوم کی ذہنیت میں ایسا زبردست انقلاب پیدا کردیا جس کا اقرار تمام دنیا کے مؤرخین کو ہے۔ وہ قوم جو ہر حیثیت سے ذلیل اور پست نظر آرہی تھی مختصر عرصے میں بلندی کے آسمان پر مہر نیمروز بن کر چمکنے لگی۔ اسلامی تربیت اور اس کے تعلیمات وعقائد کا یہ اعجاز نہیں تو کیا تھا کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد وہاں کے مقامی باشندوں نے اپنے املاک واموال کا نصف حصہ اپنے نو وارد ہم مسلک مہاجرین کو دے دیا۔

نہیں کہا جاسکتا کہ اس زمانہ میں اگر اخلاقی اصلاح کی کوشش تربیت ضمیر کے راستہ سے کی جائے تو وہ ایسی نتیجہ خیز اور سودمند ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ آج کل کے جدید علوم نے انسانی عقل وفکر کو حقائق وواقعات کے قبول کرنے کے لئے نسبتاً زیادہ آمادہ بنا دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ موجودہ تمدن نے گذشتہ سادہ زندگی کے بہ نسبت انسان کے توجہات کو ضمیر کی آوازوں کی طرف سے موڑ دیا ہے۔

۴۔ ضمیر کے تقاضوں کی پے در پے مخالفت سے اُس کی آواز میں اضمحلال پیدا ہوجاتا، اُس کی حیثیت اِس حاکم معزول کی قرار پاجاتی جسے اپنی حکومت میں رتی بھر تصرف کا موقع نہیں ملتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ضمیر کی آواز ایسے اشخاص کو اپنی طرف متوجہ کرسکتی ہے جنہوں نے اس کی مخالفت کم کی ہو، لیکن جرائم پیشہ افراد کے لئے اُن کے ضمیر کی آواز کا اثر بہت گھٹ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضمیر کی حکومت کا دائرہ بہت

محدود ہوگیا۔ اس کے مقابلہ میں مذہبی اعتقادات اور دینی تعلیمات اگر دل میں اچھی طرح راسخ ہوجائیں تو انتہائی جرائم پیشہ اشخاص کو بھی سیدھے راستہ پر لا سکتے، اُن کی تاریک زندگی کو نورانی بنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

گذشتہ معروضات کا نچوڑ یہ ہے کہ ایک طرف ضمیر کی حکومت مختلف حیثیتوں سے مذہب کی حکومت کے بہ نسبت محدود ہے، دوسری طرف اپنے دائرۂ سلطنت میں بھی اُسے وہ تسلط واقتدار حاصل نہیں جو دین اور مذہب کو حاصل ہے۔

طاقتور اور مؤثر ضمیر ایک مخلص، بے لوث، پاکدامن دوست کے مانند ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ یہ خیر خواہ دوست ہمہ وقت انسان کو مفید نصیحتیں کرتا اور سودمند مشورے دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا بلند نظر، وسیع القلب، صائب الرائے دوست ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا ہے۔ جنہیں حُسن اتفاق سے ایسا دوست مل گیا ہے وہ سب اس مخلص اور بے لوث دوست کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ یہ مخلص دوست ایسا بھولا اور سیدھا ہے کہ اُسے بآسانی دھوکا دیا جاسکتا، غلط تاویلیں اور توجیہیں کر کے مطمئن بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اُس کے پاس اپنی نصیحتوں اور ہدایتوں کے مطابق عمل کرانے کے لئے کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ وہ اپنے اوامر ونواہی کا پابند بنانے سے عاجز ہے۔ اس کا تسلط واقتدار، اُس کے اثرات مذہب کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

دو قابل توجہ اعتراض

اس مقام پر بہت سے اعتراضات کئے جاسکتے، لیکن اُن میں سے دو توجہ کے لائق ہیں اور ان کے جواب کی ضرورت ہے۔

پہلا اعتراض

کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں اقرار ہے کہ تمام سماجی اور اخلاقی برائیوں کی اصلاح ضمیر کے بس میں نہیں ہے۔ وہ انسان کو زندگی کی ایسی شاہراہ پر نہیں چلا سکتا جہاں ظلم وجور کا بالکل نام ونشان نہ ہو، لیکن اگر انسانی ضمیر ایسا نہیں کرسکتا تو مذاہب وادیان بھی اب تک ایسی مکمل اصلاح نہیں کرسکے ہیں دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ "مدینۃ فاضلہ" کے خواب کی تعبیر نہ ضمیر دے سکتا ہے اور نہ مذاہب دے سکے ہیں یہ نقص صرف ضمیر ہی میں نہیں بلکہ ادیان ومذاہب میں بھی موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے گزشتہ بیانات میں جو ضمیر کو انسان کے اعمال کی نگرانی کے لحاظ سے ناقص قرار دیا تو اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جس طبقہ میں بھی مذہب پہنچے گا اُس کے تمام اخلاقی مفاسد کو دور کردے گا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ضمیر اور مذہب کے درمیان موازنہ کیا جائے کہ لوگوں اور قوموں کی اصلاح میں کون زیادہ مؤثر ہے؟ اخلاقی مفاسد کی بیخ کنی میں کس کا زیادہ ہاتھ ہے؟ ہم صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کے گفتار وکردار کو قابو میں کرنے کے لحاظ سے مذہب ضمیر سے بدرجہا زیادہ مؤثر ہے۔ انسانی اعمال کی نگرانی کے علاوہ فرد اور جماعت کے نقطۂ ارتقاء تک پہنچنے میں انبیاء کے تعلیمات سے دوسرے گرانقدر فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک فائدہ بھی ضمیر نہیں پہنچا سکتا۔

ضمیر کی حکومت مختلف جہتوں سے غیر مکمل ہے، جب کہ اس کے مقابلہ میں عقائد مذہبی کی حکومت اگر اُنہیں آزادی سے پھلنے پھولنے کی اجازت دے دی جائے ہر حیثیت سے مکمل ہے۔ اسی بنا پر عقائد مذہبی کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ ضمیر کے تاثرات ان کی بہ نسبت بہت کمزور اور سطحی ہیں۔

انتہائی سرکش اور متمرد قوموں کے مختلف اجتماعی مفاسد کی بنیادی اور ہمہ گیر اصلاح تعلیمات مذہبی کے سایہ میں ہوئی۔ اگر اس عظیم اصلاح کے لئے ان قوموں کے ضمیروں کی تربیت کا راستہ اختیار کیا جاتا تو ہرگز کامیابی حاصل نہ ہوتی۔

آج بھی اگر اقوام عالم کے درمیان سے مذہبی اعتقادات کا قدم ہٹ جائے، اُنہیں راہ راست کی طرف متوجہ کرنے کے لئے سوائے ضمیر کی آواز کے کوئی دوسری آواز نہ ہوتو یقیناً اخلاقی اور سماجی مفاسد کی تعداد موجودہ تعداد سے کئی گُنی بڑھ

جائے۔ درندہ صفت انسان اپنے فائدے کی خاطر دوسرے لوگوں کی زندگی کا جلد از جلد خاتمہ کردیں۔

اس کے برعکس مطبوعات اور دوسرے وسائل نشر واشاعت کے ذریعہ عالمی پیمانے پر، دلکش زبان میں، موثر انداز سے اگر مذہبی عقائد کی اس طرح مسلسل اور پیہم تبلیغ کی جائے کہ وہ عوام الناس کے دلوں کی گہرائیوں میں اُتر جائیں، اگر لوگوں کو اِن تعلیمات کے زیر اثر یہ یقین ہوجائے کہ خدا تمام حالات میں حاضر و ناظر ہے، اگر اُن کے اعماق قلب میں روز آخرت اور انسانی اعمال کی جزا و سزا کا اعتقاد راسخ ہوجائے تو یقینا دُنیا کا رنگ بدل جائے، اخلاقی اور اجتماعی مفاسد کی بڑی تعداد اصلاح پا جائے لیکن اگر اسی پُرزور طریقہ پر ضمیر کی تربیت کا انتظام کیا جائے تو اس کے بہت معمولی نتائج آنکھوں کے سامنے آئیں گے۔ اس کی وجہ وہی ضمیر کی ذاتی نارسائی ہے جو کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہوسکتی جس سے مذہب کا دامن پاک ہے۔

دوسرا اعتراض

ہم نے حکومت ضمیر کے محدود ہونے کے سلسلے میں جو کچھ کہا اُس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی اخلاقی تربیت میں ضمیر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ اُن لوگوں کی غلط فہمی کو دور کریں جو ضمیر کو مذہب کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔ ہم نے ثابت کیا کہ ضمیر اپنے متعدد نقائص کی وجہ سے مذہب کا جانشین نہیں بن سکتا، نہ وہ خود اس منصب کا دعوے دار ہے اور نہ ہم اُسے یہ سپرد کرسکتے ہیں۔

ہم اس بات کے ہرگز منکر نہیں ہیں کہ ضمیر مذہب کا آلۂ کار بن سکتا، اُس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ راہنمایانِ دین انسان کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے سلسلے میں اُس سے مدد لیں، اس لحاظ سے اُسے رسول باطن کا لقب دینا صحیح ہے۔

اگر اس رسول باطن کی نشو ونما مذہب کے تعلیمات کے سایہ میں ہو، اگر یہ باطنی قوت اُن کے چشم وابرو کے اشاروں کی پابند ہو تو خود انسان کی ہستی کے اندر ایک اخلاقی راہنما کا پارٹ ادا کرسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس رسولِ باطن کا براہ راست تعلق عالم ماوراء الطبیعہ سے نہیں ہے وہ وحی والہام کا سامان نہیں رکھتی، وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اسی بنا پر اُسے مستقل راہنما نہیں قرار دیا جاسکتا، اُسے اپنے اصلاحی اور تربیتی پروگرام کو مذہبی تعلیمات کے مطابق مرتب کرنا چاہئے۔ اس صورت میں بے شک وہ انسانی تربیت میں صحیح طور سے مؤثر ہوسکتا ہے۔

کتب سماویہ اور پیشوایان مذہب کے ارشادات میں انتہائی اہمیت کے ساتھ انسانی ضمیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ضمیر کی اصطلاح نئی ہے اور یہ تعبیر مذہبی راہنماؤں کے اقوال میں نظر نہیں آئے گی۔ لیکن اس سے زیادہ اہم اور قیمتی الفاظ سے اُسے یاد کیا گیا ہے۔

۱۔ لا أقسم بیوم القیامة ولا اقسم بالنفس اللوامة۔

''روز قیامت اور سرزنش کرنے والے نفس کی قسم۔''

(سورہ قیامت)

یہ ملامت کرنے والا نفس وہی انسانی ضمیر ہے جو پست کاموں کے مرتکب ہونے کے موقع پر انسان کو سرزنش کرتا ہے ''نفس لوّامة'' سے اس قوت کی تعبیر نہایت صحیح اور مناسب ہے۔

قرآن مجید میں مختلف چیزوں کی قسم کھانے کے مفسرین نے بہت سے اسرار اور رموز بیان کئے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ خدا اُس شے کی اہمیت کو ظاہر کرنا چاہتا جس کی قسم کھائی ہے۔ اس آیت میں ''نفس لوامة'' کی قسم کا مقصد یہی ہے کہ اُس کی اہمیت کو لوگوں کے سامنے نمایاں کیا جائے۔

یہ نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ قسم مذکور روز قیامت کی قسم کے پہلو میں قرار دی گئی ہے۔ یہ پہلونشینی معنی خیز ہے۔ شاید اس امر کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ روز قیامت پر ایمان اور ضمیر دونوں کے اثرات یکساں ہیں۔ یہ دونوں لوگوں کے اعمال کو راہِ راست پر لگانے کا سبب ہیں ان دونوں کی ہم آہنگی فرد و جماعت کی دائمی اور پائیدار اصلاح کا باعث ہوسکتی ہے۔

۲۔ فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون۔

(سورۂ انبیاء)

قرآن مجید اس آیت میں ضمیر کے زبردست اثرات کی طرف اشارہ کررہا ہے جب حضرت ابراہیم نے بُت خانہ کے تمام اصنام سوائے ایک بڑے بت کے توڑ ڈالے تو آپ کو گرفتار کرکے صاحبان حل وعقد کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سارا ماجرا اس بڑے بُت سے دریافت کرلو۔ جو کچھ ہوا اُس کے سامنے ہوا ہے، اس موقع پر بت پرست چکرائے، کیونکہ جناب ابراہیمؑ کے جواب میں اگر کہیں کہ یہ بت کچھ نہیں سمجھ سکتا، بولنے اور کسی کو پہچاننے کی قوت اس میں موجود نہیں ہے، یہ گونگا، بہرا، بے شعور ہے تو وہ اپنی رسوائی کا خود سامان مہیا کریں کہ جو خدا اتنا کمزور ہے وہ اپنے بیچارے بندوں کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ یہ خدا تو اپنے بندوں سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہے۔

یہ موقع تھا کہ یکا یک اُن کے ضمیروں کی بجلی چمکی، اُس نے ان کی آنکھوں سے اوہام وخرافات کے پردے سرکائے، خلیل خدا کے اس زبردست ذہنی جھٹکے نے کچھ دیر کے لئے اُن کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کیا، اس نے چیخ کر اُن سے کہا کہ اے بے وقوفو! یہ بُت جو تمہارے سامنے اپنے دشمن کے خلاف گواہی تک نہیں دے سکتے اس قابل نہیں ہیں کہ تم اُن کی پرستش کرو، اُن کے اور عام پتھروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دوسرے پتھر تو تمہارے کام کاتے اور یہ کسی مرضی کی دوا نہیں ہیں۔

یہ وقت تھا کہ بت پرستوں نے اپنے کو سرزنش کی اور کہا ''انکم انتم الظالمون'' تم لوگ، ہاں یقیناً تم لوگ ظالم اور ستمگر ہو۔ یہ موقع تھا کہ رسول باطن یعنی ضمیر رسول ظاہر یعنی ابراہیمؑ کا ہم آہنگ ہوگیا۔ دونوں نے مل کر آئین بت پرستی پر خط نسخ کھینچ دیا۔

افسوس کہ اس بیداری ضمیر کی عمر بہت مختصر تھی، چند لمحوں کے بعد بُت پرستوں نا ضمیر دربارہ خواب غفلت میں چلا گیا۔ اوہام وخرافات کے تاریک پردے اُن کی آنکھوں پر پڑ گئے انہوں نے جناب ابراہیمؑ کے جلا ڈالنے کا حکم دے دیا۔ ✱✱✱

بقیہ ۔۔۔۔۔۔ حقیقت صبر ۔۔۔۔۔۔ چھوڑا ہے تو میری طرف سے یزید سے جا کر کہہ دو۔ یہ علیؑ کی بیٹی تھی۔ رسولؐ کی نواسی تھی۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ سیاست وقت اب ہم مظلوموں کی دل جوئی پر مجبور ہوگئی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میری طرف سے جا کر کہہ دو یزید سے کہ ابھی تو ہمارا کچھ بھی دل نہیں چاہتا۔ ابھی تو ہم اپنے وارثوں کو روئے نہیں ہیں۔ اس لیے ایک مکان خالی کرادے کہ ہم اپنے وارثوں کو دل کھول کر رولیں پھر ہم بتائیں گے کہ یہاں رہیں گے یا مدینہ جائیں گے۔ چنانچہ حکومت وقت نے انتظام کیا۔ مکان خالی ہوگیا۔ روایت بتاتی ہے کہ آج تک کوئی عورت شرفائے قریش میں سے تعزیت کے لئے نہیں آئی تھی۔ بھلا حکومت کے جو معتوب ہوں ان کے پاس کوئی تعزیت کے لیے آئے! لیکن اب جو معلوم ہوا کہ حکومت کے انتظام سے حسینؑ کا ماتم ہورہا ہے تو شرفائے قریش کی عورتوں نے سیاہ کپڑے رنگوائے اور اب زینبؑ وام کلثومؑ کے پاس تعزیت کے لیے آنا شروع کیا۔ یاد رکھئے کہ یہ سوئم اور چہلم کی مجلسیں زینبؑ کی قائم کی ہوئی یادگار ہیں جسے ہم آج تک قائم کرتے ہیں۔ اب محسوس کیجئے کہ آج چودہ سو برس کے بعد ہم ایسے گنہ گار حسینؑ کے مصائب کا ذکر کرتے ہیں تو یہ اثر ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ لیلیٰ کی زبان اور علی اکبرؑ کا مرثیہ۔ بیوۂ حسن مجتبیٰؑ کی زبان اور قاسمؑ کا ماتم۔ اور ہاں اہل عزا! رباب کی زبان اور علی اصغرؑ کا نوحہ۔ زینبؑ کی زبان اور حسینؑ کا تذکرہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ماتم کی صف تو پانچ دن میں یا سات دن میں اٹھ گئی لیکن ہزاروں دلوں میں حسینؑ کی صف زینبؑ نے بچھادی اور یہ آج تک وہی ماتم ہے جو زینبؑ کا قائم کیا ہوا ہے۔ ✱✱✱

التماس ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت فرما کر جملہ مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع کی روح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم: نکّر پرنٹنگ اینڈ بائنڈنگ سینٹر

حسین آباد، لکھنؤ